برہان دہلی

# حسرت موہانی

عابد رضا بیدار
رضا لائبریری رامپور

شعر حسرت، ۱
انتخابِ سخن ۲
تذکرۃ الشعراء ۳
نکاتِ سخن، ۴
شرحِ غالب، ۵
کلیاتِ حسرت، ۶
ماہنامہ اردوئے معلیٰ، ۷
اردوئے معلیٰ دورِ اوّل
——— دورِ دوم
سہ ماہی تذکرۃ الشعراء
اردوئے معلیٰ (دورِ سوم) ۸
حسرت (علیگ)
حالاتِ حسرت

ضمیمے:۔

اقتباسات متعلق بہ نظریاتِ سیاسی (۱۹۰۷ء) ۸۶
مصر میں انگریزوں کی تعلیمی پالیسی (۱۹۰۸ء) ۸۷ - ۸۹
اردوئے معلیٰ کی پالیسی (۱۹۰۹ء)
اقتباساتِ سیاسی (۱۹۱۲ء)
کالج سے سید ہاشمی کا اخراج (۱۹۱۳ء)
اردو پریس کا خاتمہ (۱۹۱۳ء)
اقتباسات (۱۹۲۶ء تا ۱۹۴۴ء)
حسرت موہانی کا مجوزہ دستورِ اتحادیہ وفاقیہ ہند (۱۹۴۲ء)
اقسامِ سخن
قطعہ؛ معاصرینِ حسرت

غالب، نظیر، حالی اور اقبال کے ساتھ اگر میں حسرت کا نام بھی لے دوں تو آپ میں سے بہت سے ازالۂ حیثیتِ عرفی کا دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن اگر ان چار بڑوں کے ساتھ میں ایک غزل گو کا نام لوں جو اردو کے پہلے سیاسی ماہنامے کا ایڈیٹر تھا، جس نے ان گنت گمنام شعراء کو دریافت کیا، اساتذہ کے کلام کو محفوظ کیا، شعراء کے تذکرے اور اُن کے کلام کی تنقید کی نئی طرح ڈالی، خالص عشقیہ شاعری کی حد تک اُردو غزل کو نیا جنم دیا، جس میں تہذیبِ عاشقی بھی تھی، تہذیبِ فن بھی، اس صدی کی ابتدا میں جس نے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا، دیس کی آزادی کی جدّوجہد کے جرم میں پہلی بار جس کے لئے جیل کے دروازے وا ہوئے، جو کانگریسی بھی تھا مسلم لیگی بھی، کیمونسٹ بھی، صوفی بھی، جو کانگریس کے بچپن سے اُس کے قائدوں میں تھا اور جس نے پہلی بار کانگریس کے پلیٹ فارم سے دیس کی مکمل آزادی کا ریزولیوشن اس وقت پیش کیا تھا جب گاندھی جی بھی اپنے آپ کو اُس کی تائید کے لئے تیار نہ پاسکے، اور جو اپنا سب کچھ تج کر دیس کی آزادی کے لئے جدّوجہد کرتا رہا اور جب خدمات کے کیش کرانے کا وقت آیا تو وہ چپکے سے کانگریس کے مخالف کیمپ مسلم لیگ میں پہنچ گیا۔ ایک مسلم لیگی کی حیثیت سے اُس نے پاکستان بنتے دیکھا اور خود پوری شانِ بے نیازی سے ہندستانی پارلیمان میں داخل ہو گیا۔ جناح اور گاندھی، نہرو اور لیاقت علی خاں، عبدالباری فرنگی محلی اور آزاد سبحانی، ابوالکلام اور محمد علی — اور سب سے بڑھ کر کعبہ اور بندرابن کا بیک وقت پیرو بھی اور اُن سے باغی بھی۔ اس کی پیروی میں بڑا پن تھا اور بغاوت میں بھی پیار! بدن پر پیوند لگا لباس، پیر میں سادہ چپّل، ہاتھ میں پُرانا جھولا۔ پارلیمانی کاغذات، شعروسخن کی بیاض اور گھر کے لئے ترکاری اور سودا سلف کا مشترکہ امین، بچّوں کے سے معصوم چہرے پر سوچتی ہوئی پیشانی جس کی گہری اور ہلکی لکیروں میں صدیوں کی اُردو تہذیب اور اِدھر آدھی صدی کی قومی تحریک سمٹ آئی تھی۔ اتنا معصوم کہ فرشتوں کو بھی پیار آجائے اور اس میں ایسا شدید باغیانہ مزاج جیسے اُس کی روح جنم جنم کی باغی ہو، پُرخلوص نادار بڑا انسان! پتہ نہیں رومی کا شیخ، چراغ لیکر کس انسان کی آرزو میں نکلا تھا!

غالب، نظیر، حالی اور اقبال کے ساتھ اگر میں حسرت کا نام لے دوں تو شاید آپ بُرا نہ مانیں!

حسرت اتنے بڑے شاعر نہیں۔ لیکن شاعری ہی تو سب کچھ نہیں۔ حسرت ان چار بڑوں کے ساتھ ہماری تہذیب کی ایک اہم روایت بن گئے ہیں۔ ہمارے شاعروں سے شاعری چھین لیجئے تو وہ کچھ نہیں رہتے، حسرت سے شاعری کیا سب اضافیات چھین لیجئے اور پھر بھی اتنا کچھ بچ رہے گا جس سے وہ بونوں کے مجمع میں ممتاز نظر آنے لگیں۔ اس صفت میں شریک ہر بھر کے اردو تہذیب کی پچھلی نسلوں میں یہی چار پانچ نام آتے ہیں۔ جنھیں میں بار بار دہرا رہا ہوں۔

اردو تنقید کی ستم ظریفی اور حسرت کی کیا ہماری کم نصیبی کہ اُس کے اصل کام کو، اُس کی شخصیت کو فی الحال معرضِ بحث میں نہ لائے، کسی نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور ضمنی کام شاعری کے تحلیل و تجزیہ میں ساری ذہانت صرف ہونے لگی، فن شعر پر اس کے مقالات، شعرار کے سوانح کے سلسلے میں اس کی تحقیق و تفتیش، نایاب و نادر مخطوطات اور مطبوعات سے درجنوں شعرار کے انتخابات، سیاستِ قومی پر فاضلانہ بحثیں اور اپنے رسالہ کے ذریعہ مذاقِ شاعری کے ساتھ مذاق قوم پرستی کو عام کرنا، حسرت کا اصل کام یہ تھا۔ شاعری کا فطری ذوق تھا، ہزاروں شعر نظر سے گذرتے رہے، حسرت بھی باقاعدہ شاعر بن گئے اور اردو والوں نے سمجھا کہ حسرت بس شاعر تھے اور کچھ نہیں۔

حسرت اچھے شاعر تھے اور غزل گو کی حیثیت سے دوسرے درجہ کے شاعروں کے ساتھ کھپ جاتے ہیں، خاص عشقیہ شاعری کے میدان میں کچھ منتخب شعر مل جاتے ہیں، جنھیں کبھی کبھی کچھ مخصوص لمحات میں گنگنانے کو بھی جی چاہتا ہے۔ ایسے شعر اردو کی عشقیہ شاعری میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہیں۔ حسرت کی معصوم فطرت، ان کی تہذیبِ عاشقی اور ایک رچا ہوا تہذیبی شعور ان میں جاری و ساری معلوم ہوتا ہے اور ایک شریف دل دھڑکتا محسوس ہوتا ہے۔ مگر اس کے آگے کچھ نہیں۔ زندگی اور اس کی کشمکش کو تمام پہلوؤں کے ساتھ انگیز کرنے اور سمجھنے کا حوصلہ نہیں ملتا۔ بس یہ ہوتا ہے کہ " اے عشق کہیں لے چل اس پاپ کی بستی سے " اور کہیں محدود سی دنیا بسا کر،

بیا کہ رونقِ ایں کارخانہ کم نشود　　　　ز زہد ہمچو توئے، یا بفسق ہمچو منے

پڑھتا ہوا ہمارا شاعر دیوان کو تمّت تک پہونچا دیتا ہے۔

بعض انفرادی زندگیوں میں ایسے لمحات آتے ہیں جب ایسے منتخب اشعار گنگناہٹ میں آجاتے ہیں

شوق جب حد سے گزر جائے تو ہوتا ہے یہی — ورنہ ہم اور کرمِ یار کی پروا نہ کریں
واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب — آسودگی کی جان تری انجمن میں تھی
دل اور نہیہ تزکِ خیالِ یار کرے — کیسے یقین ہو کون اس کا اعتبار کرے
سخت محرومِ ادب ہو دلِ حسرت نے اگر — بے وفائی سے ترے جور کو منسوب کیا
ہشیار کہ ایسی پُرسشِ بیہم کی نوازش — عشاقِ ستم کش کو ہوس کار نہ کر دے
ہم جور پرستوں پہ گماں ترکِ وفا کا — یہ وہم کہیں تجھ کو گنہگار نہ کر دے
کچھ حد بھی ہو اس سوزشِ خاموش کی حسرت — یہ کشمکشِ غم تجھے بیکار نہ کر دے
روشِ حُسنِ مراعات چلی جاتی ہے — ہم سے اور اُن سے وہی بات چلی جاتی ہے
اُس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتا — سعیٔ تاویلِ خیالات چلی جاتی ہے
ہم سے ہر چند وہ ظاہر میں خفا ہیں لیکن — کوششِ پرسشِ حالات چلی جاتی ہے
نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے — وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد — ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے
ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت — اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار سنانے کے بعد میں آپ سے کہنا شروع کر دوں کہ ان میں معصوم نکھری نکھری نرم و سبک پیرایۂ بے بنا کا سبھاؤ، چوٹ اور چوٹ کی چُبھن، جذبے کی لگن اور قافیے کی چھین وغیرہ جھلکے پڑتے ہیں اور آپ بآسانی میری باتوں میں آجائیں۔

ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں حسرت کے معاصرین کو حسرت سے ٹکرا دوں اور آپ کو یہ باور کرا دوں کہ حسرت کا تصورِ عشق اصغر، فانی، جگر اور فراق سے زیادہ متوازن، مہذب اور ضبط و نظم کا حامل ہے۔ اُردو میں پہلی بار گوشت پوست کے انسان کو محبوب کا پیکر ملا ہے: حسرت کا محبوب

اُن سے بے اعتنائی بھی کرتا ہے مگر اکثر اُن کا انتظار بھی کرتا ہے۔ انھیں وصل بھی ملا ہے ہجر بھی۔ اور اس لئے وہ بھرپور شاعر ہیں۔ یہاں بھی آپ میری ہمنوائی میں آمادہ ہو سکیں گے۔

یا پھر یوں کہ، میرؔ سے امیرؔ تک غزل گوئی کا جو عام دھڑا تھا حسرتؔ نے اپنے انتخابی ذوق سے کام لے کر اس میں جرّت پیدا کی اور غزل کو نئی زندگی دی اور یہ کہ مصحفی کی طرح حسرتؔ کی شاعری بھی انتخابی ہوتے ہوئے اُن کی اپنی الگ چھاپ رکھتی ہے اور آپ مجھ سے اس سلسلہ میں کیوں اختلاف کرنے لگے۔

یا پھر یہ ہو کہ میں آپ سے کہوں کہ وہ زمانہ ہی ایسا تھا۔ ذرائع پیداوار اور پیداوار کی تقسیم پر جس طبقے کا قبضہ تھا اُسی سے حسرتؔ نے غیر شعوری طور سے ساز کر لیا تھا۔ مذہب ظاہری تصوّف کی راہ سے اُن کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اور سوشلسٹ بلکہ کمیونسٹ بنتے ہوئے بھی سوشلسٹ سماج کا سائنٹیفک تصوّر اُن کی دسترس سے باہر تھا۔ وہ روحانیت پسند تھے اور سوشلزم تک بھی اسی راہ سے پہنچے تھے۔ اسی لئے اُن کے تصوّرات مادّی دنیا تک آتے آتے بکھر جاتے ہیں۔ حقیقت کا مادّی تصوّر نہ ہونے کے سبب اُن کی شاعری میں ایک بنیادی کجی آ گئی ہے۔ پھر بھی اپنے زمانے کے اعتبار سے وہ خاصے ترقی پسند تھے

یہ اور اس قسم کی بہت سی باتیں ممکن ہے حسرتؔ کے بارے میں صحیح ہوں لیکن فضول ہیں۔ شعری تنقید کو تخلیقی عمل سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر یہ ساری باتیں کہہ بھی دی جائیں اور تسلیم بھی کر لی جائیں تو کیا نتیجہ۔ دنیا کے علم میں کون اہم اضافہ ہو گیا۔ یا میری اس انداز پر کی ہوئی تنقید کے ذریعہ حسرتؔ نے میرے سماج کو کون نیا حسن بخشدیا۔ بات صرف اتنی ہے کہ حسرتؔ اچھے شاعر تھے اور اُن کے بعض شعر اُردو کے بڑے پیارے شعروں میں شمار ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اُن کا سارا سرمایہ نہیں۔ شاید اُن کا سب سے بڑا ایسیٹ (ASSET.) بھی نہیں[۱]۔

---

[۱] حسرت کی شاعری کو سمجھنے اور اُن کی شاعرانہ قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل مقالے ناگزیر حد تک اہم ہیں۔

مجنوں گورکھپوری — حسرت کی غزل — نگار حسرت نمبر — جنوری فروری ۱۹۵۲ء

(باقی آئندہ صفحہ پر)

(۲)

زبان و بیان پر قدرت اور شعری ذوق کے نکھار اور رچاؤ کے لئے اساتذہ کے کلام اور منتخب شعری سرمائے کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے۔ اس بات کا احساس ممکن ہے حسرت کی طرح دوسروں کو بھی اتنا نہیں تو اس کے لگ بھگ شدت سے رہا ہو لیکن حسرت اُردو میں پہلی مثال ہے اور عہدِ نو کے بدلتے ہوئے رجحانات کو دیکھتے ہوئے شاید آخری بھی، جس نے اس بات کی اہمیت کو اتنی شدت سے محسوس کیا اور پھر اپنی اور دوسروں کی تہذیب مذاق کے لئے مرتب اور منظم صورت میں اُردو کے سارے شعری سرمایہ کا ممکن احاطہ کر کے اسے سستے کاغذ اور گھٹی کتابت میں چھاپ کر زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی کوشش کی۔ یہ انتخاب سخن کا سلسلہ تھا جس میں قدیم اساتذہ اور معاصر شعرار کے کلام کا انتخاب اس نہج پر کیا جاتا تھا کہ یہ اصل دواوین سے بے نیاز کر دیتا تھا

یہ انتخابات قلمی نسخوں، مطبوعہ دیوانوں، بیاضوں اور تذکروں کی مدد سے ترتیب دیئے جاتے تھے اور ممکن کوشش یہ ہوتی تھی کہ عام طور سے ہر غزل کے انتخاب میں غزل کی ہیئت برقرار رہے، یعنی مطلع و مقطع اور کم سے کم تین مزید شعر۔ اس لحاظ سے ان انتخابات میں ہیئت زیادہ ہے مواد کم! اور شاید یہ اچھا ہی ہوا کہ حسرت نے ہیئت پر زور دیکر ہمارے لئے زیادہ سے کلام محفوظ کر دیا۔

ان انتخابات کی کئی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| رشید احمد صدیقی | کچھ حسرت کے بارے میں | نگار حسرت نمبر | جنوری فروری ۱۹۵۲ء |
| فراق گورکھپوری | حسرت موہانی | " | " |
| احتشام حسین | حسرت کا رنگ سخن | " | " |
| خلیل الرحمن اعظمی | حسرت کے شاعرانہ مرتبے کا تعین | " | " |
| آل احمد سرور | حسرت کی عظمت | اردو ادب حسرت نمبر | اکتوبر تا دسمبر ۱۹۵۱ء |
| آل احمد سرور | حسرت — ایک تاثر | نگار حسرت نمبر | جنوری فروری ۱۹۵۲ء |
| ڈاکٹر یوسف حسین خاں | حسرت کی شاعری | کتابچہ | ۱۹۵۸ء |
| ممتاز حسین | حسرت کی غزل گوئی | نیا دور کراچی ۱۵-۱۸ | |

ایک تو یہ کہ تھوڑے سے صفحات ہیں، ایک نظر میں اُردو کا تمام قابلِ قدر شعری سرمایہ سامنے آجاتا ہے۔ کتنے ایسے ہونگے، افراد کی ملکیتوں کو تو چھوڑیئے! بڑے بڑے کتاب خانے بھی جہاں قدیم وجدید اساتذہ کے کلام کے اتنے سارے مجموعے یکجا ہیں آسکیں۔

دوسرے یہ کہ اس میں حسرت کے معاصرین کے انتخابات بھی شامل ہیں جن میں سے بہت سوں کے مرتّب مجموعے اس وقت تک شائع نہیں ہوئے تھے۔ ایسے شعراء کے کلام کی ابتدائی نوعیت اور ضرورت پڑے تو تاریخی ترتیب میں حسرت کے یہ انتخابات ہمیشہ مددگار ثابت ہونگے۔

تیسرے یہ، اور یہ بات سب سے اہم ہے کہ ان انتخابات سے خود حسرت کو سمجھنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ وہ حسرت سامنے آجاتا ہے جو مرنجاں مرنج ہے! شریف متین، اور روادار ہے، ماضی پرست نہیں، ماضی کی قدر کرنے والا ہے، شاعروں کے ایک دوسرے پر منہ لسورنے والے خود مرکزی طبقے میں اپنے معاصرین کو، گھٹیا معاصرین کو بھی اُن کی حیثیت سے زیادہ جگہ دینے والا ہے۔ ان انتخابات سے حسرت کے شعری ذوق کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہوجاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حسرت کی شاعری میں جو ضبط و نظم اور حسرت سے قبل کے سارے شعری سرمایہ کا نچوڑ مل جاتا ہے اس کا سبب سمجھ میں آجاتا ہے۔

انتخاب کے لئے شاعر کے کلام کی تلاش اور پرکھ اور انتخاب کرنے کی تکنیک کے بارہ میں خود حسرت کے ایک بیان سے کسی قدر روشنی پڑسکے گی۔

"اُردو زبان کی بدقسمتی سے اور ناقدروانوں کی غفلت کی وجہ سے بہت سے زبردست اُستادوں کا کلام برباد ہوگیا، ایسا کہ اب تلاش کرنے پر بھی اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور بہتوں کا کلام ضائع ہونے کے قریب ہے یعنی یہ کہ بہت جلد اگر اس کی حفاظت اور اشاعت کا انتظام نہ کیا جائے گا تو کچھ دنوں میں وہ بھی دنیا سے ناپید ہوجائے گا۔

راقم الحروف ہمیشہ اس امر کو افسوس کی نظر سے دیکھا کرتا تھا اور چونکہ اشاعت کی استطاعت نہ رکھتا تھا اس لئے اسی پر قانع تھا کہ جہاں تک مل سکیں تمام قدیم دیوان جمع کر لئے جائیں۔

جب اس کوشش میں خدا کی عنایت سے کچھ کامیابی ہوئی تو ہمت کچھ اور بڑھی اور خیال پیدا ہوا

کہ جس قدر دیوان دستیاب ہوگئے ہیں وہ چھپوا دیئے جائیں۔

لیکن چونکہ زبان ان ضخیم دواوین کی قدیم تھی اور بعض مضامین زمانۂ موجودہ کے مذاق کے خلاف تھے اس لئے بہرحال مناسب معلوم ہوا کہ اُن کا انتخاب شائع کیا جائے۔ سلسلۂ اردوئے معلیٰ کا یہ پہلا دیوان بھی کلیاتِ حسرت سے انتخاب کیا گیا ہے لیکن بڑی محنت اور کوشش سے اس امر کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس انتخاب کی وجہ سے کس طرح ہر شاعر کے رنگِ سخن اور اُس کے کلام کی خوبیاں اور بُرائیاں مخفی نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل باتوں کی پابندی کی گئی ہے۔

الف۔ انتخاب اس طور پر کیا گیا ہو کہ دیوان کی صورت قائم رہے۔ مثلاً منتخب غزلوں میں اصلی غزلوں سے اشعار کم ہیں غزل کی حیثیت بجنسہٖ قائم ہے، یعنی ایسا نہیں کیا گیا کہ مطلع و مقطع غائب کر دیا جائے، صرف درمیان کے دو ایک شعر درج کر دیئے جائیں۔

ب۔ اس غرض کے حاصل ہونے کے لئے زیادہ تر وہی غزلیں چھانٹی گئی ہیں جن میں منتخب ہونے کی حالت میں بھی غزل کی صورت باقی رہتی ہے یعنی جس میں کم از کم پانچ شعر قابلِ انتخاب مل سکتے ہیں۔

ج۔ حتی الامکان مطلع و مقطع ضرور قائم رکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض غزلوں میں مطلع اور بعض میں مقطع سُست ہو۔ لیکن اس سے دو فائدے ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ غزل کی صورت قائم رہی، دوسرے یہ کہ شاعر کے کمزور کلام کا نمونہ بھی انتخاب میں موجود رہا ورنہ بحالت دیگر دوسروں کو شاعر کے اصلی رُتبۂ شاعری کے دریافت کرنے میں دقت ہوتی۔

دیوان کے شروع میں ایک نقشہ صاحبِ دیوان کے سلسلۂ شاعری سے متعلق بڑی تلاش اور تحقیق سے درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شاعر کے حالاتِ زندگی اور اس کے کلام پر رائے ظاہر کی گئی ہو۔ اختصار اور جامعیت کا بہت کچھ لحاظ رکھا گیا ہے"۔۔۔۔[۵۱] (دیباچہ انتخاب دیوان جعفر علی حسرت)

انتخاب کا یہ سلسلہ ۴۰ سال تک اُردوئے معلیٰ کی زندگی کے ساتھ ساتھ، بیچ بیچ میں رُکتا ہوا

[۵۱] یہ پورا جملہ انتخابِ سخن سے متعلق نہ سمجھا جائے اس کے لئے حسرت نے الگ مستقل سلسلہ "تذکرۃ الشعرا" شروع کیا۔

کسی نہ کسی طرح چلتا رہا : ویسے منضبط اور مرتب شکل میں یہ گیارہ جلدوں میں محفوظ ہے۔

" انتخاب سخن، یعنی تقریباً دو سو مطبوعہ و غیر مطبوعہ دواوین کا انتخاب ۱۱ جلدوں میں" —— (اردوئے معلیٰ میں ایک اشتہار کا اقتباس) ہر جلد کی تفصیل یہ ہے ۔

جلد اوّل :۔ سلسلہ شاہ حاتم تا شاہ نصیر و شاگردانِ شاہ نصیر (باستثنائے ذوق و مومن) حاتم اُستاد سودا، کلیات قلمی نایاب ۔ رنگین شاگرد حاتم ۔ دواوین قلمی کمیاب ۔ نثار شاگرد حاتم دیوان قلمی نایاب ۔ بیدار شاگردِ حاتم دیوان قلمی کمیاب ۔ فخر الدین ماہر دہلوی خلف فغاں شاگرد سودا : دیوان قلمی نایاب ۔ معروف شاگرد نصیر ۔ دیوان مطبوعہ کمیاب ۔ امیر (محمد یار خاں) شاگرد قائم و مصحفی : دیوان قلمی نایاب ۔ افسر خلفِ امیر : دیوان قلمی نایاب بقا شاگرد حاتم : دیوان نایاب ۔ بیتاب برادرو شاگرد رنگین و ممنون : دیوان نایاب ۔ عشرت شاگرد لطیف تلمیذ سودا : دیوان نایاب ۔ طالب رام پوری شاگرد شوق شاگرد قائم : دیوان نایاب ۔ شاہ نصیر شاگردِ مائل شاگردِ قائم : دیوان مطبوعہ کمیاب ۔

جلد دوم ۔ سلسلہ شاہ حاتم :۔ ذوق و شاگردانِ ذوق تا شاگردانِ داغ و ظہیر ۔

جلد سوم ۔ سلسلہ شاہ حاتم : مومن و شاگردانِ مومن تا نسیم و تسلیم و شاگردانِ تسلیم ۔

جلد چہارم ۔ جزو اوّل ۔ مظہر (جانجاناں) میر محمد حیات حسرت، یقین، حزیں، شاعر اور بیان ۔

جزو دوم ۔ میر، راسخ، میر حسن، میر درد، میر اثر، میر سوز، افسوس، امانت، لطافت فصاحت ۔

جلد پنجم ۔ سلسلہ جرأت : جعفر علی حسرت استاد جرأت، جرأت، غضنفر، رضا، رقت، رضوی، محنت، نصرت، مصروف، محبت، جلال، مائل، شائق، نساخ اور رضا علی وحشت

جلد ششم ۔ جزو اوّل (مصحفی و شاگردان مصحفی) مصحفی، مسرور، منتظر

جزو دوم ۔ ہوس، عیشی، تنہا، شہیدی، مخمور، غافل، زینت رائے نظر

جلد ہفتم ۔ سلسلۂ مصحفی : (آتش وصبا و شاگردان آتش وصبا) :

جزو اوّل ۔ آتش، صبا، ماہ، حنا، قمر موہانی شاگرد کیف، فروغ لکھنوی، شاگرد بقا شاگرد صبا ۔

جزو دوم ۔ رند، خلیل، شرف، حیرت، اکبر الہ آبادی، اکبر داناپوری، کیف، ازل،

جلد ہشتم ۔ سلسلۂ مصحفی (اکبر و اسیر و شاگردان اسیر و امیر)

جزو اول : اسیر، امیر، جلیل

جزو دوم ۔ واسطی، ماہر، جرار، شوق قدوائی، حفیظ جونپوری، گستاخ رامپوری، مضطر خیر آبادی، بے نظیر شاہ وارثی، مست، صفدر رامپوری، جاہ کانپوری، کلب علی خاں نواب، جگر بسوانی، شفق عمادپوری، کشن نرائن درابر، دل شاہجہاںپوری، احسن سیمبی، شرف مجددی وفا رامپوری، مصباح مجددی

جلد نہم ۔ سلسلۂ ناسخ تا منیر و جلال و شاگردان منیر و جلال

جزو اول ۔ ناسخ، برق، جلال، آرزو لکھنوی ۔

جزو دوم ۔ رشک، بحر، سحر، وزیر، میر کلو عرش، نادر، مہر آباد، نور، تعشق، قلق، آسی سکندرپوری، حاتم علی مہر، گویا، قدر بلگرامی، حبیب کنتوری، شاد پیر و میر، افضل الہ آبادی، فدا علی عیش، شمشاد، منیر شکوہ آبادی، صغیر شاگرد رشک، احسان شاہجہاںپوری، یاس لکھنوی ۔ دلیر فرخ آبادی ۔

جلد دہم ۔ سلسلۂ غالب ۔ جزو اوّل : غالب، مجروح، سالک، حالی، زکی، شعلہ شاگرد بیصبر، رشکی خلف شیفتہ ۔

جزو دوم : ناظم، عاشق، نازش بدایونی شاگرد ذکی ۔

جلد یازدہم ۔ متفرق :

جزو اول ۔ ولی، آبرو، ممنون، انشا، فراسو، صادق خاں اختر، ذکی مرادآبادی، واجد علی شاہ

اختر، طاہر فرخ آبادی، مشتاق لکھنوی، شاد عظیم آبادی، نظم طباطبائی، علی میاں کامل لکھنوی، ظفر علی خاں، قمر بدایونی، مجاز ردولوی (اسرار الحق) بہزاد لکھنوی، توفیق حیدرآبادی، فضلی بنگالی شائی میرٹھی، اثر عظیم آبادی۔

جزو دوم۔ فغاں، راسخ دہلوی، رونق دہلوی شاگرد راسخ، صمیم بلند شہری، ندرت میرٹھی

مندرجہ بالا وضاحتیں، سب کی سب حسرت کے اپنے بیانات کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہیں اور حسرت کے اپنے الفاظ میں ہیں۔ میں نے یہ باتیں ان انتخابات کے اشتہاروں سے اور انتخابات کے عنوان سے ترتیب دی ہیں۔ حسرت سے ایک آدھ جگہ اشتہار یا عنوان کی پابندی نہیں ہوسکی ہے مثلاً ۱۱ ویں جلد کے پہلے حصہ میں فضلی بنگالی کا نام عنوان میں موجود ہے لیکن کتاب میں اس کی جگہ بہزاد کا انتخاب ہے۔ یا مثلاً پہلے حصہ میں حاتم کا دیوان بالکل الگ سے شائع کیا گیا ہے ساتھ نہیں۔ یا مثلاً جلد سوم کا عنوان خود وضاحتی نہیں ہو پایا، اس سلسلہ میں شیفتہ۔ اصغر گونڈوی، حسرت موہانی، اور جلد سوم میں جگر مرادآبادی کے انتخابات بھی شامل ہیں اور حسرت کے شاگرد کی حیثیت سے شفیق جونپوری کا انتخاب بھی۔

ایک اشتہار میں جلد یازدہم کے تیسرے حصہ کی بھی اطلاع ہے۔ "تیسرا حصہ بھی تیار ہے اس میں پنڈت ابر، آزاد عظیم آبادی، امیر بدایونی، بسمل موہانی، اشہری، بیان میرٹھی، بے خود موہانی، تجمل، ثاقب لکھنوی، جاوید لکھنوی، جرکین، جعفر زٹل، جوہر رامپوری، چکبست، جوش ملیح آبادی، حافظ پیلی بھیتی، خورشید لکھنوی، رضوان مرادآبادی، رضی نارنولی، جگت موہن لال رواں ریاض بدایونی، سخن امروہوی۔ وحید الدین سلیم پانی پتی، (عبد الغفور) شہباز عظیم آبادی، صاحبقراں فحش گو، صفی امروہوی، ظریف لکھنوی، صفی لکھنوی، فطرت موہانی، فلک لاہوری، قیس علیگڈھی، کوکب لکھنوی، نظیر اکبرآبادی، نیاز بریلوی، یاس عظیم آبادی وغیرہ" شامل ہوئے تھے

اس آخری حصے کے چھپنے کی نوبت شاید کبھی نہیں آئی۔

(۳)

انتخاب سخن کے ساتھ حسرت نے ایک اور اہم کام بھی اپنے ذمہ لیا۔ یہ تذکرۃ الشعرار کا سلسلہ تھا جسے انتخاب سخن کا ضمیمہ سمجھ لیجئے۔ اس سلسلہ کا آغاز تو بہت پہلے اس وقت ہوا۔ جب حسرت فضل الحسن کے نام سے معروف تھے اور اردوئے معلیٰ کی مجلس[۵۱] میں کالج کے طالب علم کی حیثیت سے مقالے پڑھ کر سنا تے تھے۔ ۱۹۰۰ - ۱۹۰۱ء کی کالج کی رپورٹ میں اُردوئے معلیٰ کی سرگرمیوں کے ذیل میں "سید فضل الحسن" کے چار پانچ مقالوں کا تذکرہ[۵۲] ہے جو بعد میں اردوئے معلیٰ میں شائع ہوئے اور تذکرۃ الشعرار کی بنیاد بنے یہ مقالے نسیم، تنہا اور عیشی وغیرہ پر ہیں۔

اُردوئے معلیٰ کے اولین شمارے ہی میں تذکرۃ الشعرار موجود ہے لیکن اس سلسلہ کو باقاعدہ شکل دینے کا خیال انہیں ۱۹۲۶ء میں آیا اور جنوری ۱۹۲۶ء سے اُردوئے معلیٰ میں اس کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے کا نام ارباب سخن رکھا گیا۔ اس میں تذکرۃ الشعرار کے سلسلہ میں جو چیزیں پہلے نکل چکی تھیں غالباً انہیں ردیف کی باری آنے پر شامل کرنے کا خیال ہوگا۔

حسرت کی افتادِ طبیعت کے لحاظ سے یہ سلسلہ پورا ہونے کی چیز تو تھی نہیں، اور پورا ہوا بھی نہیں لیکن جتنا بھی ہے غنیمت ہے، اس سے حسرت کے مذاقِ نقد و تحقیق کا اچھا اندازہ ہوجاتا ہے۔

جنوری ۱۹۳۱ء کے اُردوئے معلیٰ میں اربابِ سخن کے عنوان سے حسرت نے اپنی جولائی ۱۹۲۶ء کی پلان معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ اس طرح پیش کی: (آخری پیراگراف ۱۹۲۶ء کے متن پر اضافہ ہے)

"اس نام سے ہم شعرائے اردو کا ایک جامع اور مستند تذکرہ لکھنا چاہتے ہیں جس کے مفصلۂ ذیل حصے قرار دیئے گئے ہیں۔

حصۂ اوّل، سلاسل شعرائے اردو جس میں شعرائے اردو کی ترتیب و تقسیم اُن کے سلسلۂ شاعری کے

---

۵۱ کالج کی علمی و ادبی انجمن، جس کی بنیاد سجاد حیدر یلدرم اور قاضی تلمذ حسین کے ہاتھوں پڑی اور جسے حسرت نے پروان چڑھایا اور اس کی یاد میں اپنے رسالہ کا بھی وہی نام رکھ کر اسے دوسری زندگی دیدی۔

۵۲ رپورٹ مشمولہ علی گڑھ منتھلی جون ۱۹۰۲ء

اعتبار سے درج کی جائے گی جس کے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکے گا کہ کس شاعر کو کس خاندان سے تعلق ہے

حصہ دوم۔ فہرست شعرائے اُردو جس میں مذکورہ بالا سلاسل کے جملہ شعراء نیز شعرائے متفرق کی ایک فہرست بقید نام و نشان مرتب کردی جائیں گی۔

حصۂ سوم۔ تذکرہ شعرائے اردو جس میں تمام قابلِ ذکر شعرائے اُردو کا حال مع انتخاب کلام درج کیا جائے گا

حصۂ چہارم۔ طبقات شعرائے اردو جس میں اُردو زبان کے جملہ مشہور اور صاحب دیوان اساتذہ کی تقسیم اُن کے زمانۂ شاعری کے لحاظ سے مفصلۂ ذیل سات طبقوں میں کی جائے گی

طبقۂ اول - از ابتدائے عہد تا ۱۱۰۰ھ، طبقۂ دوم از ۱۱۰۱ھ تا ۱۲۱۰ھ طبقۂ سوم از ۱۲۱۱ھ تا ۱۲۴۰ھ، طبقۂ چہارم ۱۲۴۱ھ تا ۱۲۷۰ھ، طبقۂ پنجم از ۱۲۷۱ھ تا ۱۳۰۰ھ طبقۂ ششم از ۱۳۰۱ھ تا ۱۳۳۰ھ طبقۂ ہفتم از ۱۳۳۱ھ (رواں)

حصۂ پنجم۔ بیاض شعرائے اُردو۔ جس میں شاہان و امرائے دہلی و اودھ و نوابان و امرائے مرشد آباد عظیم آباد، حیدرآباد، رامپور، بھوپال، ٹونک، بنارس، کدورہ، فرخ آباد و باندہ وغیرہ میں اُن سب کا حال درج کیا جائے گا جو خود شاعر تھے اور جنھوں نے اپنے زمانہ کے مشاہیر سخن کی مربی گری کی تھی۔

حصۂ اول۔ سلاسل شعرائے اُردو جس میں جملہ سلاسل شعراء کا نقشہ درج ہے، شائع ہو چکا ہے اور قریب قریب کل صاحبِ سلسلہ شعراء کا حال ۱۹۰۳ء سے ۱۹۳۰ء تک اُردوئے معلیٰ میں درج ہو چکا ہے۔ ذیل میں حصہ دوم کے شعرائے متفرق کی فہرست درج کی جاتی ہے۔ آئندہ رسالہ میں انھیں کا حال سلسلہ وار درج ہوگا"

(اس کے بعد شعرائے متفرق کی فہرست ابجد کے لحاظ سے درج ہے جن کی تعداد ۳۱ ہے۔

اس پلان میں مذکورہ سلاسل شعراء والا حصہ تو مختلف اوقات میں اُردوئے معلیٰ میں شائع ہوتا رہا اور اُن میں سے اکثر میری نظر سے گذرے ہیں۔ لیکن "کل صاحب سلسلہ شعراء کا حال" بھی درج ہو چکا ہے اس کا مجھے اندازہ نہیں، اس لئے کہ پورے پرچے مجھے مل بھی نہ سکے۔ سلاسل شعراء کی ترتیب کا اندازہ جاننے کے لئے سب سے اہم سلسلہ کا نقشہ یہاں پیش کرتا ہوں۔

## سلسلہ شاہ حاتم

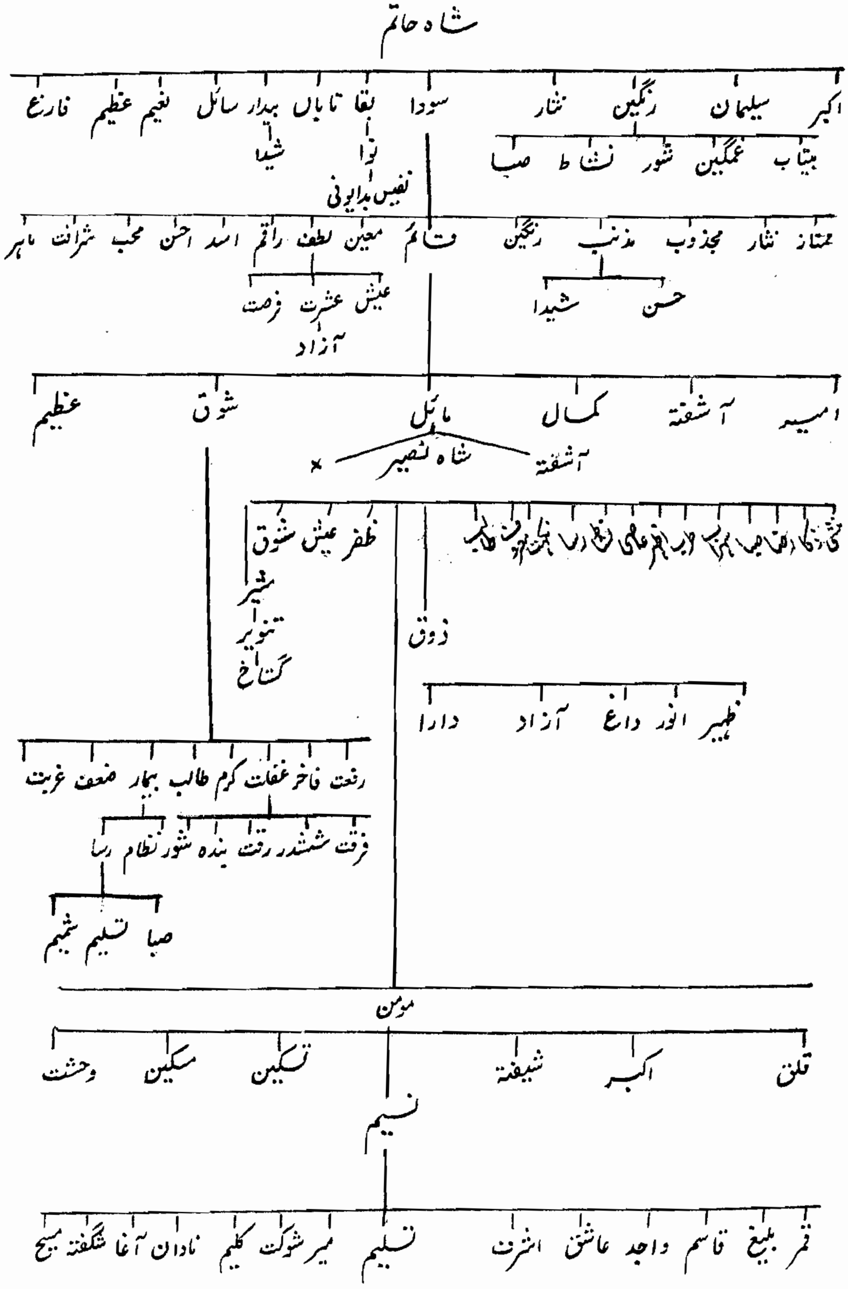

(۴)

حسرت کی دوسری تصانیف میں ان کے دواوین ' شرح غالب ' اور متفرق صدارتی خطبوں کے علاوہ اُن کی مستقل تصنیف نکات سخن بڑی اہمیت رکھتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں فنِ شاعری کے اسرار و رموز سے کتنی گہری واقفیت تھی اور یہ بھی کہ انھوں نے مسائلِ شعر و سخن کے بارے میں اپنے وسیع مطالعہ کے دوران میں کس کس پہلو سے غور و فکر کیا تھا۔

" بعد حمد خدا و نعتِ احمد مصطفےٰ بندہ حقیر فقیر حسرت موہانی حنفی مذہب، قادری مشرب، قدر دانانِ سخن کی خدمت میں گذارش کرتا ہے کہ ایک عرصۂ دراز سے راقم الحروف کو جہاں اُردو زبان کی روز افزوں ترقی اور مذاقِ صحیح کی جانب اردو شاعروں کے قابلِ قدر رجحان کو دیکھ کر قدرتی طور طور پر مسرّت حاصل ہوتی تھی، وہیں اس بات کا افسوس بھی ہوتا تھا کہ دَورِ جدید کے اکثر تعلیم یافتہ شاعر اپنے کلام میں بلندی اور ندرتِ خیال کے مقابلہ میں زبان و بیان کی خوبیوں کا کافی لحاظ نہیں رکھتے جس کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھا مضمون ایک ادنیٰ خرابی کی وجہ سے بے لطف ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس خرابی کی متعدد وجوہ میں سے سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ دور میں اُستادی اور شاگردی کا سلسلہ قریب قریب ناپید ہو چکا ہے دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ آجکل ماضی کی طرح ذوقِ شاعری کی ترقی تدریجی نہیں ہوتی، بلکہ سوسائٹی میں شعر و شاعری کا چرچا عام نہونے کی بنا پر اکثر قابل طبیعتوں میں مادۂ شاعری کا ہیجان دفعتاً ایسی حالت میں پیدا ہوتا ہے جبکہ اُن کی دیگر دینی و علمی قابلیتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہوتی ہیں جس کا اثر اکثر ایسی شکل میں نمودار ہوتا ہے کہ نوجوان شاعروں کو محاسن و معائب سخن کے متعلق صحیح اور کافی اطلاع بطور خود حاصل کرنے کے لئے ایک عرصہ دراز درکار ہوتا ہے اور اس درمیان میں جو کچھ اُن کے قلم سے نکلتا ہے اُس میں اُن کی جدّتِ ذہن کی خوبیاں اُن کی بے مشقی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر بالکل خاک میں مل جاتی ہیں۔ دشواری یہ ہے کہ اُستادی شاگردی کی وہ رسمِ قدیم جس کا سلسلہ قریب قریب منقطع ہو چکا ہے اب وہ دوبارہ اپنی گذشتہ روایتوں کے ساتھ از سرِ نو قائم نہیں ہو سکتی۔ (باقی)